بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

جنوری کے پہلے ہفتہ میں پنجاب یونیورسٹی کے تحت ایک بین الاقوامی اسلامی مجلسِ مذاکرہ منعقد ہوئی۔ اس مجلس کو حکومتِ پاکستان کی سرپرستی حاصل تھی اور اس کے وسیع تر انتظامات کے لیے حکومت نے یونیورسٹی کو سات لاکھ روپے کی زرِ خطیر بھی عطا کی۔ بیس ممالک کے تقریباً سوا سو سے زائد اہلِ علم حضرات اس میں شریک ہوئے۔ ان شرکاء میں ہر ذہن اور ہر طرزِ خیال کے لوگ موجود تھے۔ وہاں اگر ایک طرف شیخ بہجت البیطار، عمر بہاء الامیری، مصطفیٰ زرقا، ابو زہرہ جیسی صحیح العقیدہ اور صحیح خیال متوازن شخصیتیں نظر آئیں تو دوسری طرف بعض ایسے تجدد پسند اصحاب بھی ملتے جو اسلام کا ماڈرن ایڈیشن تیار کرنے میں منہمک ہیں۔ ان کے علاوہ وہاں بعض ایسے غیر مسلم مستشرقین بھی شریک تھے جو اسلام اور اسلامی دنیا کے مسائل کو پوری دیانتداری سے سمجھنے کے آرزومند ہیں اور ان معاملات میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ مگر انہیں شامل ہونے والوں میں ایک مختصر سا طبقہ ایسا بھی موجود تھا جن کی اسلام اور مسلمان دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور جو یہاں آکر بھی اسلام کے خلاف اپنے چھپے ہوئے بغض و کینہ کو ہزار سعی کے باوجود، چھپا سکنے میں کامیاب نہ ہوا اور کبھی کبھی اُس کے دل کا زہر زبان پر آکر الفاظ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا تھا۔

اس مجلس مذاکرہ کے آغاز سے کافی پہلے اس کے متعلق فضا میں مختلف قسم کی بدگمانیاں پھیلنی شروع ہوئیں۔ بعض لوگوں نے اسے دینِ حق کے لیے ایک فتنۂ عظیم خیال کیا بعض نے اسے مغربی استعمار پسندوں کی ایک "مقدس چال" سے تعبیر کیا۔ بعض نے اسے شہرت کے بھوکوں کے لیے ایک نادر موقع سمجھا۔ الغرض مختلف قسم کے وساوس لوگوں کے دلوں میں موجود تھے۔ اس ملک کی عام آبادی

اسے محض ایک میلے سے زیادہ حیثیت نہ دیتی اور اس سے کسی خیر کی توقع وابستہ نہ رکھتی تھی۔
ممکن ہے اس قسم کی بدگمانیاں پھیلانے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جن کی نیت بخیر نہ ہو لیکن اکثر لوگ بالکل نیک نیتی کے ساتھ اسے ایک فتنہ سمجھ رہے تھے اور ہمارے ملک کی عام آبادی کے خدشات بھی بالکل بے بنیاد نہ تھے۔ اس مجلس مذاکرہ کے بارے میں بعض خطرات کا اظہار بالکل فطری تھا اور بعض ایسے ٹھوس وجوہ تھے جن کی بنا پر اس مجلس کے متعلق حسن ظن رکھنا بہت مشکل تھا۔

اس مجلس مذاکرہ سے پہلے امریکہ میں جو کلوکیم منعقد ہوا وہ اسلام کے خلاف ایک خطرناک سازش تھی۔ اس میں جو کارروائی کی گئی اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام کی بنیادوں کو اس طرح سے منہدم کر دیا جائے کہ یہ ایک انقلاب انگیز تحریک کی حیثیت سے زندہ نہ رہے اور مغربی استعمار پسندوں کا آلۂ کار بن جائے۔ کلوکیم کا یہ مقصد اس قدر بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتا تھا کہ اس کی پوری کارروائی میں یہ جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ چنانچہ بیروت یونیورسٹی کے ایک امریکی نژاد وائس چانسلر ڈاکٹر بایرڈ ڈوج نے اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

"ماضی میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان معاندانہ رشتہ تھا لیکن اب وقت آگیا ہے کہ دونوں مذہب متحد ہو کر مادیت کا مقابلہ کریں جو اس وقت روحانی اقدار، ایمان و ایقان کی عمارت کو ڈھانے کے درپے ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقالہ نگار جان کیمبل روسی جارحیت کا خطرہ پیش کر کے عالم اسلام کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ ایک مشترکہ دفاعی ادارے میں شریک ہو کر سرخ خطرے کا مقابلہ کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اسلامی ممالک کو اس امر کا بھی یقین دلاتا ہے کہ ان کی عسکری قوت کو زیادہ مضبوط کرنے کے لیے مغرب انہیں ہر قسم کی مدد دے گا۔
اس معاملہ کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی واحد قابل عمل صورت ان استعمار پسندوں کے نزدیک ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ کسی طرح ایسی بنیادیں فراہم کی

جائیں جو مشرق و مغرب میں مشترک ہوں۔ ایسی بنیادوں کی تلاش و جستجو ظاہر ہے کہ اس وقت تک
ممکن نہیں جب تک مسلمان اُس دین کو مانتے ہیں جو انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے۔
وہ دین جس کے متعلق یہ فرمایا گیا ہو هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ
عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ، وہ دین جو اپنے پیروؤں سے اس بات کا تقاضا کرے
کہ وہ اپنی جملہ خود مختاریوں کو ترک کر کے خدا کے ساتھ اپنے تعلق میں یکسو ہو جائیں اور اُس وقت
تک چین نہ لیں جب تک کہ یہ دین دنیا کے سارے ادیان پر غالب نہ ہو جائے، اُس کے ماننے
والوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ کبھی بھی غیر ملکی سامراج کے آلۂ کار بن سکتے ہیں ایک بہت بڑی حماقت
ہے۔ اس کے لیے اگر کوئی گنجائش نکل سکتی ہے تو یہ صرف اُسی شکل میں ممکن ہے کہ اسلامی عقائد
میں تزلزل اور ضعف پیدا کیا جائے، مسلمانوں میں اس باطل خیال کی تخم ریزی کی جائے کہ اسلامی
تعلیمات عہد حاضر کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں، اور ان کے دماغوں میں یہ بٹھایا جائے
کہ ان کی بقا اور ترقی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ دینِ حق کو مسجد کی چار دیواری میں محدود
کر کے اپنے ملکی اور اجتماعی مسائل میں ہدایت الٰہی کے بجائے مغرب کی رہنمائی قبول کر لیں۔ ان
شر انگیز خیالات کے چند نمونے ہمیں سابق کلوکیم کی کارروائیوں میں ڈاکٹر ہیدر کے مقالے میں مل
سکتے ہیں جس میں مسلم قوم کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ نبوت، معجزات، نماز اور قیامت
ایسے اساسی اور بنیادی عقائد پر بھی نظرثانی کریں اور انہیں جدید نفسیات کے اصولوں کی روشنی
میں از سر نو مرتب کیا جائے۔ اُس کا خیال یہ ہے کہ وحی زمان و مکان کے تقاضوں کے تحت نازل
ہوتی ہے، اس لیے وہ ہمیشہ نظرثانی اور تصحیح کی محتاج رہتی ہے۔ اسی طرزِ فکر کی تائید میں ایک
دوسرے مقالہ نگار ڈاکٹر ہیرلڈ سمتھ نے بھی یہی زہر افشانی کی ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ الفاظ کے
سانچے اضافی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہر عہد میں، ہر قسم کے
معاشرتی، اور معاشی حالات کے تحت ابد الآباد تک صحیح اور برحق ہیں۔ ان کا گاہے بگاہے تبدیل
کرتے رہنا فطرت کا ایک اہم تقاضا ہے۔

اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے امریکی کلوکیم میں نہایت ہی کمینے اور اوچھے ہتھکنڈے اختیار کیے گئے تھے۔ شریعت اسلامی کے مجموعی ڈھانچے میں سے نہایت عیاری کے ساتھ چند ایسی چیزوں کو منتخب کر لیا گیا۔ جو جدید تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ رواج کے خلاف پڑتی ہیں اور انہیں موضوعِ سخن بنا کر مسلمانوں کے دماغ کو پراگندہ کرنے کی مسلسل کوشش کی گئی۔ ان موضوعات میں پردہ اور ضبطِ تولید پر خاص طور پر طبع آزمائی کی گئی۔

اسلام سے مسلمانوں کو متنفر کرنے کے لیے ایک کوشش یہ بھی کی گئی کہ مسلمانوں کے دل میں ان جاہلی تہذیبوں کی محبت جاگزیں کی جائے جو اسلامی انقلاب سے پہلے، مختلف اقوام میں رائج تھیں۔ کلوکیم کے ارباب حل و عقد نے خاص طور پر ایسے مقالے لکھوائے تھے جن کو سننے اور پڑھنے سے مسلمان ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت جیسے پاک اور مقدس رشتوں میں بندھنے کی بجائے نسلی اور روائتی علائق سے وابستہ ہوں۔ اور اس طرح ان کے دلوں سے اسلامی اقدار اور روایات کی عقیدت آہستہ آہستہ ختم ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی پورا التزام کیا گیا کہ اُن لوگوں کے نام اور کام کو زیادہ سے زیادہ اچھالا جائے جنہوں نے عالمِ اسلام میں سے کسی ملک کو بھی لادینیت کی راہ پر لگایا ہو۔ چنانچہ ترکی کے ایک شخص ضیا گوک الپ کے افکار کی دل و جان سے تائید کی گئی، اُس کے طرزِ فکر کو بڑے جاذب اور قابلِ رشک انداز میں سراہا گیا اور اُسے جدید ترکی کا نظریاتی اور فکری موسس ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ تھیں مختصراً اُس کلوکیم کی کارگزاریاں جو امریکہ میں لاکھوں ڈالر کے صرف سے منعقد ہوا تھا۔ اس وجہ سے اگر پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں میں لاہور کے کلوکیم کی تجویز سن کر کچھ خدشات پیدا ہوئے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ بے وجہ نہ تھے۔

ان خدشات و خطرات کو یہاں کے حالات سے مزید تقویت حاصل ہوئی۔ اس مجلسِ مذاکرہ کے انتظام میں زیادہ تر وہی لوگ دخیل تھے جو مغرب، اُس کی اقدارِ حیات، اُس کے افکار و تصورات، اُس کی طرزِ معاشرت، اور تہذیب و تمدن سے نہ صرف مرعوب ہیں بلکہ مغلوب بھی ہیں۔ ان حضرات

کے خیالات کچھ ڈھکے چھپے نہیں کہ ملک کے باشندے ان سے ناواقف ہوں۔ ان کی "تجدد پسندانہ" کوششیں سب لوگوں کے سامنے ہیں۔ اس لیے اس ملک کے عوام یہ سوچنے میں بالکل حق بجانب تھے کہ یہ لوگ جس مجلسِ مذاکرہ کو ترتیب دے رہے ہیں اُس میں یہ اور ان کے مغربی رفقاء مل جل کر اسلام اور مسلمانوں کے لیے کچھ نئے فتنے کھڑے کریں گے۔

پھر ان حضرات نے شروع ہی سے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ بڑا غیر دانشمندانہ تھا۔ انہوں نے اس کلوکیم میں بہت سے ایسے لوگوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جو اسلام پر اتھارٹی کے ساتھ گفتگو کرنے کے اہل ہیں اور ان کی جگہ اُن لوگوں کو مدعو کیا گیا جو اسلام کے علم سے کورے اور اپنے گمراہ کن نظریات کی وجہ سے مسلم قوم میں اچھے خاصے بدنام ہیں۔ اگرچہ کلوکیم کمیٹی کے ایک دو صحیح الخیال ارکان نے انہیں اس غلطی سے روکنے کی کوشش کی، اور انہیں اسلام کے صحیح نمائندوں کو بلانے کا مشورہ دیا، مگر اختیارات جن کے ہاتھ میں تھے وہ اپنی اسکیم بدلنے پر راضی نہ ہوئے۔ ان کے پیشِ نظر تو یہ مظاہرہ کرنا تھا کہ پاکستان کے اندر بھی اور باہر بھی دنیا بھر کے منکرینِ اسلام کا ایک نیا ایڈیشن تیار کرنے پر متفق ہیں۔

یہی چیز مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے کم نہ تھی کہ اس پر ایک اور حماقت یہ کی گئی کہ چودھری ظفر اللہ خاں کو بھی مجلسِ مذاکرہ میں شرکت کی دعوت دے دی گئی۔ اس کے بعد تو یہ ممکن ہی نہ رہا کہ اس مجلس کے حق میں عام لوگوں کے اندر کسی حسنِ ظن کی گنجائش باقی رہ جاتی۔

کلوکیم کے افتتاح کے موقع پر صدر ریاست نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ عام مسلمانوں کے لیے مزید غم و غصے کے محرک ثابت ہوئے۔ صاحبِ صدر نے تجدد پسندوں کا وہی پرانا ہتھکنڈا استعمال کیا جو اس مشرب کے لوگوں کا چلتا ہوا داؤں ہے کہ ایک طرف اسلام کی "ترقی پسندی" کو خوب دل کھول کر دادِ تحسین دی جائے اور دوسری طرف اُس "ملّا" کو آڑے ہاتھوں لیا جائے جو اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرنے میں سب سے بڑی مانع قوت ہے۔ یہ تھوڑے لوگ سامنے آکر خدا اور رسول کی تعلیمات کے خلاف کچھ کہنے کی تو جرأت نہیں رکھتے البتہ اپنے دل کی بھڑاس علماء کو ہدف بنا کر وقتاً فوقتاً نکالتے

رہتے ہیں۔ وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے یہی لوگ اصل وجہِ مصیبت ہیں حالانکہ اسلام آج جتنا کچھ بھی باقی ہے انہی علماء کی کوششوں، قربانیوں اور محنتوں سے باقی ہے، ورنہ غیر ملکی سامراج کے آگے جو لوگ نقدِ دل و جان ہار چکے تھے، اور جنہوں نے اپنی دنیا بنانے کے لیے مغربی آقاؤں کی چاکری ہی نہیں ذہنی غلامی تک قبول کر لی تھی ان کے ہاتھوں دین کا جنازہ کبھی کا اٹھ چکا ہوتا۔ یہ بات تو ایک معمولی عقل کا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ دین اگر اس سرزمین میں باقی رہا ہے تو ان لوگوں کی بدولت رہا ہے جنہوں نے مسجدیں آباد رکھیں، جو قرآن اور حدیث پڑھتے پڑھاتے رہے، جن کی زبانیں خدا اور رسول کے ذکر میں شب و روز مشغول رہیں، نہ کہ ان لوگوں کی بدولت جنہیں کبھی جمعہ کی نمازوں تک میں نہ دیکھا گیا، جن کے گھر میں جانماز تک نہیں پائی جاتی، بلکہ جن کے گھروں میں کوئی یہ بتانے والا تک نہیں ملتا کہ سمتِ قبلہ کدھر ہے۔ اس قسم کے لوگ جب اسلام کی ترقی پسندی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے ساتھ ملّا پر برستے ہیں تو عام مسلمان لازماً اس سے یہ اثر لیتے ہیں کہ شاید یہ حضرات کچھ اسی طرح کا ایک نیا اسلام بنانا چاہتے ہیں جس کی شان ان کی اپنی زندگیوں میں نظر آتی ہے، اور ملّا پر یہ سارا غصہ اس لیے آرہا ہے کہ یہ کم بخت اس راستے میں حائل ہے۔

صدرِ محترم کی بات اس وجہ سے اور بھی عام مسلمانوں کو ناگوار گزری کہ اسی موقع پر نہیں، اکثر مواقع پر جب وہ ملّا پر برستے ہیں تو "مجتہد" اور "ذاکر" حضرات کو بھول جاتے ہیں۔ ان کی زبان سے آج تک کبھی یہ سننے میں نہیں آیا کہ اس مذہبی طبقے کا بھی قصور ہے یا نہیں۔

مجلسِ مذاکرہ میں توقع کے عین مطابق بعض مقالات ایسے بھی سننے میں آئے جو انتہائی گمراہ کن اور غلط تھے۔ مثلاً بعض "روشن خیال" مفکرین نے یہ کہا کہ اسلام نے ریاست کا کوئی خاکہ پیش نہیں کیا۔ کسی نے کہا کہ کتاب و سنت میں ایک مملکت کے آئین اور قانون کا کوئی واضح تصور نہیں ملتا۔ کسی نے اسلام کے معاشی نظام کی قریب قریب وہی تصویر پیش کی جو کمیونزم کے معاشی نظام کی ہے۔ ایک اور صاحب نے تو کمال ہی کر دیا۔ انہوں نے دعویٰ فرمایا کہ اسلام صرف خدا پر ایمان اور یومِ آخرت کے اقرار کا نام ہے

جو شخص بھی ان دو بنیادوں کو تسلیم کرلے وہ مومن و مسلم ہے۔ گویا رسالت اور کتب الٰہی اور فرشتوں پر ایمان کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں۔ رواداری اور وسعتِ قلب واقعی بڑی اہم انسانی صفات ہیں اور انسان کو ان کی قدر کرنی چاہیے۔ لیکن جو رواداری ایک ملت کی ایمانی بنیادوں ہی کو ڈھا دے، وہ رواداری نہیں سراسر خودکشی ہے اور کوئی ہوشمند آدمی اس چیز کو اختیار نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں کہ یہ صاحب کس اسلام کا ذکر فرما رہے تھے۔ اگر ان کی مراد اس اسلام سے ہے جو قرآن میں پایا جاتا ہے تو انہوں نے جو کچھ کہا قطعاً قرآن کے خلاف کہا اور اسلام کی بالکل جھوٹی ترجمانی کی۔ اس اسلام کی رُو سے کوئی شخص ہرگز مومن نہیں ہو سکتا، نہ نجات کا مستحق ہو سکتا ہے جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید پر ایمان نہ لائے۔ ان کو نہ ماننے والا چاہے خدا اور آخرت کو مانتا ہو پھر بھی یقیناً کافر ہے اور اس کا خدا و آخرت کو ماننا کسی طرح بھی نجات کے لیے مفید نہیں ہے۔ اس معاملہ میں سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ الخ سے جو استدلال اس سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد کر چکے ہیں اور اب خلیفہ عبدالحکیم صاحب کر رہے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔ قرآن کے نازل کرنے والے نے اپنی کوئی آیت دوسری آیات کی تردید و تکذیب کے لیے نازل نہیں کی ہے۔ اس لیے ایک آیت کا وہی مطلب لینا صحیح ہو سکتا ہے جو قرآن کے دوسرے ارشادات سے مطابقت رکھتا ہو، نہ کہ ان کے خلاف پڑتا ہو۔ قرآن کھولتے ہی سب سے پہلے جو آیات انسان کو ملتی ہیں انہی میں یہ صراحت موجود ہے کہ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، یعنی راہِ راست پر وہی ہیں اور فلاح صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جو اس کتاب پر ایمان لائیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور آخرت پر۔ اس کے بغیر نہ کوئی راہِ راست پر ہو سکتا ہے نہ فلاح پا سکتا ہے۔ اس کے بعد قرآن صاف کہتا ہے کہ جو لوگ ان حقیقتوں کو تسلیم نہیں کرتے ان پر ہدایت کی راہ قطعاً بند ہو جاتی ہے، ان کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ تعالیٰ مہر کر دیتا ہے، اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ پھر جگہ جگہ قرآن

صاف صاف کہتا ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ...... قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران - ۳۱-۳۲)

کہہ دو (اے محمدؐ!) کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا ... کہو کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ پھر اگر وہ اس سے باز رہیں تو بے شک اللہ کافروں سے تو محبت نہیں کرتا۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء - ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اُسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ... وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الاعراف - ۱۵۷)

جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں .... اور جنہوں نے اُس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اترا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء - ۶۵)

پس نہیں تمہارے رب کی قسم (اے محمدؐ!) وہ مومن نہیں ہیں جب تک کہ ان تمام جھگڑوں میں جو ان کے درمیان واقع ہوں وہ تم کو حکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں کے اندر کوئی تنگی بھی نہ محسوس کریں بلکہ (تمہارے فیصلے کو) سر بسر تسلیم کریں۔

قرآن حکیم کی ان تصریحات کے بعد اگر کوئی شخص ایمان کی بنیاد محض توحید باری تعالیٰ اور آخرت کو قرار دیتا ہے اور رسالت سے صرفِ نظر کر لیتا ہے تو وہ دینِ حق کے ساتھ نہایت شرمناک مذاق کرتا ہے۔ وحدتِ ادیان کا یہ فتنہ بڑا ہی خطرناک ہے۔ اس کے پنپنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے

کہ اسلام ، عیسائیت ، یہودیت ، ہندومت ، بودھ مت سب یکساں ذریعۂ نجات اور مذہب حق قرار پا جائیں۔ اس کے بعد اسلام کی طرف دنیا کو دعوت دینے کے سرے سے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہتے۔ افسوس ہے کہ پاکستان میں یہ فتنہ سرکاری سرپرستی میں سر اٹھا رہا ہے اور اس کی تبلیغ کرنے والے بزرگ ہمارے قومی خزانے سے اس کے لیے مدد پا رہے ہیں۔

اس مجلسِ مذاکرہ کا انتظام و انصرام جن ہاتھوں میں تھا انہوں نے بھی نہایت گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ ایک تو انہوں نے اس کلوکیم میں بعض ایسے مقالات پڑھنے کی اجازت دے دی جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متصادم تھے۔ دوسرے انہوں نے محض دوستی اور دھڑے بندی کی وجہ سے ایسے لوگوں کو بھی مدعو کیا جن کی اسلام شناسی کا یہ حال تھا کہ وہ قرآنِ پاک کی آیات تک صحیح نہ پڑھ سکتے تھے۔ اس سے نہ صرف غیر مسلموں کو اسلام کی تضحیک کا موقع ملا بلکہ پاکستان کا وقار بھی سخت مجروح ہوا۔ تیسرے ان حضرات نے جو روش صحیح اسلامی ذہن رکھنے والے اہلِ علم کے ساتھ اختیار کی وہ سخت ناپسندیدہ تھی۔ تجدد پسند اصحاب جو "رطب و یابس" کہنا چاہتے انہیں پورا پورا موقع بہم پہنچایا جاتا اور جب کوئی اللہ کا بندہ ان کے گمراہ کن افکار پر تنقید کے لیے اجازت طلب کرتا تو اس کے راستے میں مختلف قسم کی مزاحمتیں پیش کی جاتیں۔ کبھی اسے یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ وقت کی گنجائش نہیں اور کبھی بجلی اور لاؤڈ سپیکر بند کر دینے میں بھی کوئی شرم محسوس نہ کی گئی۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے حربے ہر اس شخص کی زبان بندی کے لیے اختیار کیے گئے جس نے ان باطل افکار پر ذرا سختی سے گرفت کی۔

پھر اس ضمن میں یہ بات بھی کوئی کم افسوس ناک نہیں کہ حکومت نے اس کلوکیم کے لیے زرِ کثیر عطا کیا تھا لیکن اس مجلسِ مذاکرہ کے انتظامات حد درجہ ناقص تھے۔ سامعین کے لیے اس قدر کم گنجائش تھی کہ بے شمار لوگ ہال میں داخل نہ ہو سکتے اور بے نیلِ مرام واپس لوٹ جاتے۔ اس

مجلس مذاکرہ میں عالم اسلام کی بعض مقتدر شخصیتیں موجود تھیں۔ یہاں کے لوگوں میں ان سے ملنے کے لیے ایک تڑپ کا موجود ہونا ایک بالکل فطری امر تھا مگر مجلس مذاکرہ کے ارباب اختیار اور اُن کے ناتراشیدہ کارکنان ہمیشہ اُن کے راستے میں حائل رہے اور ان مندوبین پر اس طرح کے پہرے لگائے رکھے جیسے کہ وہ ان لوگوں کی حراست میں ہیں۔ اس کے علاوہ مقالات کے تراجم نامکمل اور حد درجہ ناقص تھے۔ جب ان حضرات کے پاس اتنی وافر رقم موجود تھی تو ان کا فرض تھا کہ وہ ان مقالات کے ترجمے اور طباعت کا نہایت اعلیٰ پیمانے پر انتظام کرتے اور تمام مقالات کے تراجم اردو، عربی، انگریزی تینوں زبانوں میں، جو کلوکیم کی سرکاری زبانیں تسلیم کی گئی تھیں، نہایت بلند معیار پر شائع کر کے انہیں بڑے التزام کے ساتھ مندوبین اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کرتے مگر افسوس کہ ان بنیادی کاموں میں سے کوئی کام بھی ڈھنگ سے نہ کیا گیا اور رقم کا بیشتر حصہ آرائش، زیبائش، دعوتوں اور اسی قسم کے نمائشی کاموں پر صرف ہوا۔ ان تراجم کو دیکھ کر یہ چلتا ہے کہ محمد اسد صاحب کی شکایات بالکل بجا تھیں اور یہ لوگ اُس معیار کو قائم نہیں رکھ سکے جس کی مجلسِ مذاکرہ متقاضی تھی اور جس کی یقین دہانی اسد صاحب کا استعفا قبول کرتے وقت بار بار کرائی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتیں بھی عجیب و غریب ہیں۔ وہی ذات پاک ہر کام میں اپنی مخصوص مصلحتوں کو جانتی ہے۔ اُس کے انداز نرالے ہیں اور انسان کا ناقص ذہن اُن کو سمجھنے سے بسا اوقات قاصر ہوتا ہے۔ اُس کی حکمت بالغہ اکثر اوقات اُن چیزوں میں بھی لاتعداد پہلو خیر کے پیدا کردیتی ہے جن میں بظاہر کسی بھلائی کے آثار نظر نہیں آتے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز میں سراسر بھلائی دیکھتے ہیں مگر وہ نتائج کے اعتبار سے یکسر برائی ہوتی ہے۔

عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ

شاید تمہیں ایک چیز بری معلوم ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز

شَرٌّ لَّكُمْ ۔ (البقرہ) بھلی معلوم ہو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔
عُدو شر بر انگیزد کہ خیر ما در آں باشد' والا معاملہ اس اسلامی مجلسِ مذاکرہ کا بھی ہوا۔ اس کی ظاہری شکل و صورت تو یہ تھی کہ اس میں غالب اکثریت غیر مسلم مستشرقین اور تجدد پسند و آزاد خیال مسلمانوں کی تھی اور ان میں ایسے لوگ بہت تھوڑی تعداد میں تھے جن کو صحیح معنوں میں علمائے اسلام کہا جاسکتا ہو۔ اس انتظام سے امیدیں یہی کچھ وابستہ کی جاسکتی تھیں کہ یہاں بین الاقوامی پیمانے پر اسلام کا ایک نیا ایڈیشن اچھی طرح تیار ہو سکے گا اور اس میں "ملّا" کی آواز دب کر رہ جائیگی۔ ایسی ہی کچھ امیدوں کی نشان دہی صدر محترم کا افتتاحی خطبہ کر رہا تھا۔ پھر ایک غلط فہمی یہ بھی تھی کہ صرف پاکستان کے علماء ہی "تنگ نظر" اور "تاریک خیال" ہیں اور اس بنا پر مغربی اقدار کے راستے میں حائل ہوتے ہیں۔ دوسرے اسلامی ممالک کے اہلِ علم کا یہ حال نہیں ہے وہ اپنے افکار و تصورات، اپنے نظریات و معتقدات کے اعتبار سے بالکل "ماڈرن اور ترقی پسند" ہیں۔ اس لیے جب اسلام کا جدید ایڈیشن اُن کے سامنے پیش کیا جائے گا تو نہ صرف پوری گرم جوشی سے اس کا استقبال ہوگا بلکہ یہ لوگ اس کے جاں نثار فدائی اور پُرجوش مبلغ بن کر جائیں گے اور پھر اپنی حیات ہائے مستعار کے بقیہ لمحات اسی کی تبلیغ اور اشاعت میں صرف کریں گے۔ اس طرح پاکستان کے تجدد پسند اصحاب کو ایک طرف دنیائے اسلام کی قیادت اور رہنمائی کا منصب خود بخود حاصل ہو جائے گا اور دوسری طرف اہلِ پاکستان پر بھی یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ یہ "دقیانوسی ملّا" جو چودہ سو سال پہلے کا پرانا اسلام تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے اور تمہیں اس کے اتباع کی ہر وقت نصیحت کرتا ہے اسے تو سارے اسلامی ممالک بھی ترک کر چکے ہیں، آخر تم اس "نعش" کو کیوں اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہو، کیوں نہیں اسے دفن کر دیتے اور اس کی جگہ اُس اسلام کو قبول کر لیتے جو دانائے فرنگ اور اس کے مقلدین نے تمہارے لیے اختیار کیا ہے؟

مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی حکمتِ بالغہ سے نتائج اس کے بالکل برعکس برآمد ہوئے۔

اس مجلس نے ایک بار اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ امتِ مُسلمہ بحیثیت ملت اسلام کی کسی ایسی تعبیر کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی جو ماضی سے بغاوت پر مبنی ہو وہ اگرچہ انحطاط میں مبتلا ہے لیکن دین کے معاملے میں اس کی حس ابھی تک بالکل صحیح اور درست ہے اور اس کا ضمیر ہر اُس چیز سے ابا کرتا ہے جس سے دین کو نقصان پہنچے۔ اُسے اپنے اسلاف سے گوناگوں محبت اور عقیدت ہے اور اُن کے علمی کارناموں کو وہ نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے، انہیں دریا برد کر دینے پر وہ کبھی تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کی نظر میں آج بھی اصل معیارِ انسانیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہے اور جس چیز کے بارے میں اُسے یقین ہو جائے کہ وہ حضور کی طرف سے پہنچی ہے اُسے قبول کرنے ہی میں وہ اپنی اور پوری نوعِ انسانی کی نجات سمجھتی ہے۔ اُس کا ایمان اُسی دین پر ہے جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہُوا اور جس کے بہترین نمونے حضور کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین تھے۔ قرآن مجید کی وہی تعبیر اُس کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے جس کی تائید سنتِ رسول اور آثارِ صحابہ سے ہوتی ہو۔ دین میں جس طرح قرآن حکیم کے احکام حجت ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ بھی حجت ہے اور اگر کوئی شخص سنت کو چھوڑ کر صرف قرآنِ حکیم کو ماخذِ دین ٹھیراتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔

جن حضرات کو کلمبو میں جانے کا اتفاق ہُوا ہے وہ اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ پاکستان کے سوا کسی اسلامی ملک کا کوئی نمائندہ ایسا نہ تھا جس نے اسلام کے بارے میں ان بدیہی حقائق کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اس معاملے میں باہر کے مسلم نمائندوں کے احساسات تو یہاں تک نازک تھے کہ وہ کوئی ایسی بات سُننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے جو قرآن و سنت کی مسلّم تعلیمات کے خلاف ہوتی تھی، یا جس میں دین کی شکل بگاڑنے کی کوئی جھلک پائی جاتی تھی، حالانکہ وہ بھی اکثر و بیشتر ہمارے پاکستانی نمائندوں کی طرح مغربی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ تھے بلکہ اس معاملہ میں ان سے چند قدم آگے ہی تھے۔ ان سب حضرات نے مختلف ممالک کے نمائندے ہونے کے باوجود

جس وحدتِ فکر کا ثبوت دیا وہ اہلِ پاکستان کے لیے باعثِ رشک ہے۔ پاکستان کے چند آزاد خیال لوگوں کی رائے سن کر انہیں سخت تعجب ہوا اور اُن کے لیے یہ باور تک کرنا محال تھا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور پھر اس قسم کے خلافِ اسلام خیالات کا اظہار بھی کرے۔

اس معاملے میں خوشی کے ساتھ غم و افسوس کا پہلو اگر کوئی ہے تو یہ کہ ساری دنیا نے اسلام میں صرف پاکستان ہی تھا جس کی طرف سے یہ بدنما مظاہرہ کیا گیا۔ دوسرے مسلمان ملکوں کے پاس ملاحدہ اور تجدد پسندوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ چاہتے تو اپنے ہاں سے بھی ایسے نمائندے بھیج سکتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی دنیا بھر کے سامنے اپنی بُری نمائندگی پیش کرنا مناسب نہ سمجھا۔

شامی اور مصری علماء کے مقالات کو دیکھنے سے ہمیں ایک اور خوشی اس بات کی ہوئی ہے کہ اُن کا اسلام کے متعلق زاویۂ نگاہ ہمارے ہاں کے بہت سے روشن خیال اصحاب کی طرح اعتذار پسندانہ نہیں۔ انہیں اسلامی تعلیمات پر پورا پورا ایمان اور یقین ہے اور وہ پورے وثوق سے یہ کہتے ہیں کہ خالص اسلام ہی دنیا کے دکھوں کا مداوا اور علاج ہے۔ وہ اسلامی اور غیر اسلامی اقدار کو ملا کر ایک ملغوبہ تیار کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ اسلام کو ایک ہمہ گیر، اور باطل شکن تحریکِ فکر و عمل سمجھتے ہیں اور اس بات کی پوری توقع رکھتے ہیں کہ اس تحریک کو اب اس دنیا میں ایک غالب قوت کی حیثیت سے سربلند ہونا ہے، دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کا راستہ روک سکے۔ اُن کا دین کے بارے میں تصور وہی ہے جس کا دین ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ وہ دین کو خالق و مخلوق کے درمیان ایک پرائیویٹ رشتہ نہیں سمجھتے بلکہ ایک ایسا نظامِ حیات خیال کرتے ہیں جو زندگی کے سارے گوشوں پر حاوی ہو۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق یہ دین انسانیت کو رہنمائی نہ دیتا ہو۔

اسلامی ممالک کے مندوبین کے یہ احساسات و خیالات ایک روشن مستقبل کی نشاندہی کرتے

ہیں۔ ان سب حضرات کی اسلام سے وابستگی، قلبی تعلق اور جوش کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ اسلام میں پھر سے ایک بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اب ایک ہی جذبہ دنیا کے سارے مسلمانوں کو سرگرم عمل کر رہا ہے، ایک ہی اذان غلامانِ محمد کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ ان ممالک نے غیر اسلامی طریقوں اور باطل نظاموں کو اپنا کر ان کے مہلک نتائج کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے اور اب انہیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ کوئی چیز اگر انہیں اس ہلاکت اور تباہی سے بچا کر مقامِ محمود پر فائز کر سکتی ہے تو وہ صرف اسلام اور تنہا اسلام ہے۔ دربدر کی ٹھوکریں کھا چکنے کے بعد جب بھٹکا ہوا راہی اپنی منزلِ مقصود تلاش کر لیتا ہے تو اس کی خوشی کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو کبھی اس قسم کی کیفیت سے گزرنا پڑا ہو۔ قریب قریب اسی قسم کی مسرت اور خوشی کی لہریں عالمِ اسلام سے آئے ہوئے مندوبین کے چہروں پر کھیل رہی تھیں اور وہ مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہی تھیں۔

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر پیدا کریں

احیائے اسلام کے لیے ایک شدید تڑپ جو عالمِ اسلام کے سارے نمائندوں کے دل میں موجود تھی وہ اس حقیقت کی آئینہ دار بھی تھی کہ یہ چیز اُن کے دل کی فطری پکار ہے۔ یہ وہ احساس ہے جو خود اُن کے دل کی گہرائیوں سے اٹھا ہے۔ اس شعلہ کو خود انہیں کے جذبات و احساسات کی حرارت نے بھڑکایا ہے، اسے باہر سے کسی نے دیا سلائی نہیں دکھائی۔ سخت احمق ہیں وہ لوگ جو احیائے اسلام کی کوششوں کو کسی غیر ملکی سامراج کی کرشمہ سازی خیال کرتے ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خارجی اثرات سے دنیائے اسلام کے سارے مسلمانوں پر ایک ہی سی کیفیات طاری ہو جائیں، وہ ایک ہی طرز پر سوچنے لگیں اور ایک ہی تدبیر سے مختلف مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ خیالات و احساسات کی یہ یک جہتی کسی مصنوعی طریقہ سے تو پیدا نہیں کی جا سکتی۔ یہ اُسی صورت میں معرض وجود میں آتی ہے جب داخلی طور پر لوگ ایک ہی طرح محسوس کریں اور یہ احساس ایک ایسی چیز ہے جسے کبھی خارج سے کسی کے اندر داخل نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ انسان کے اپنے دل ہی میں موجزن ہوتا ہے۔ احیاءِ اسلام

کی ان مخلصانہ کوششوں کو کسی سامراج کی طرف منسوب کرنے والے درحقیقت خود کافرانہ نظامِ حیات کے ایجنٹ ہیں اور وہ ایک مجرم ضمیر انسان کی طرح دوسروں کو ملعون کر کے خود اپنے دل کے اندر چھپے ہوئے چور کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے سرمایہ داری اور اشتراکیت کے باطل نظریات کی جس طرح اسلام سے تائید کرانے کی ناکام کوشش کی ہے اُس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ کی راہنمائی بعض وہ غیر ملکی طاقتیں کر رہی ہیں جنہیں اسلام سے شدید خطرہ ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کے اندر ذہنی انتشار اور اندرونی خلفشار پیدا کر کے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دیا جائے۔

پاکستان میں اسلامی فکر و نظر کے مشہور علمبردار

ماہنامہ چراغ راہ کراچی

کا

اسلامی قانون نمبر

- ایک نہایت ہی مستند علمی دستاویز
- ایک عظیم اور مستقل کتاب
- ایک زبردست محققانہ دلیل و نظیر
- ایک یگانہ و منفرد کوشش
- ایک تاریخی پیش کش

اپریل کے پہلے ہفتے میں شائع ہو رہا ہے

مینجر ماہنامہ چراغ راہ

کراچی